

کیں کہ دیہ تک مہنگی رہی۔

میر صاحب۔ میں اور ظریفی پر چلا پہلو تو میں نے شیشہ میں اتارا گویا میں سب بتاؤں گا، اس فقرہ میں آکے دور و پیہ بھی میں نے اینٹھ لئے، بتا یا تو یہ بتا یا اور جو کچھ بتایا، صحیح بتایا، اور اتنا ہی مجھکو معلوم بھی تھا تو کچھ فریب بھی نہ ہوا۔
میں نے کہا کہ کوئی ڈیرہ سال ہو کے ایک بیکم صاحبہ بیما رہا تو کے بیہاں آئی تھیں، لوز کی چاکرہ ماما اصلیہ میں سپراہ تھیں چند روز کے بعد انہوں نے انسقال کیا، اسی مسیب کے پاس جنازہ کی نماز ہوئی انہیں عورتوں نے جو ہمراہ تھیں قبر میں انوارا۔ فرختمہ بزاں گئی۔ چند اغیتی قرآن خوانی میر لے پرد ہوئی، دس پندرہ ہ دن یہ لوگ یہیں رہے اُس کے بعد چلے گئے۔

مرآد علی۔ خورشید مرزا کو آپ جانتے ہیں۔

میر صاحب۔ کئی صاحب شریف صورت ہمراہ تھے معلوم نہیں کس کا نام خورشید مرزا تھا نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نام کے کوئی صاحب تھے یا نہیں۔ نواب صاحب میر صاحب، نواب صاحب، شیخ صاحب اس طرح ایک دوسرے سے گلام کرتے اگر تو مٹا، معلوم نہیں کون گون کہا۔

مرآد علی۔ تختواہ کون دیتا ہے۔

میر صاحب۔ بیاں ایک مہا جن ہے وہ پانچ روپیہ ماہوارہ ماہ بجاءہ دے دیا کرتا ہے، زیادہ نہ میں نے دریافت کیا نہ ضرورت تھی تھوڑا کام سے کام ہے۔

مرآد علی۔ وہ مہا جن کہاں رہتا ہے۔

میر صاحب۔ آجکل دو کان بند ہے وہ مہینہ کی تختواہ پشتی دیکھ کیا تھا۔

مرآد علی۔ کہاں گیا تھا، اب کہاں ہے۔

میر صاحب۔ شاید تیرتھ کو گیا ہے۔ خدا جانے کہاں ہو مجھے کونہ معلوم کرنے

کی ضرورت۔

غرض اس طرح کے ہمہ سوالات وہ کرتے رہے، میں جواب پیتا رہا کوئی بات ٹھکانے کی نہ مجھے خود معلوم تھی نہ ان کو بتاسکا۔ ہاں خوب یاد آیا، ایک سوال، کوئی جوان لڑکی کی بھی بیکم صاحب کے تھا تھی۔ میر صاحب۔ خدا ہذا کرو ایک رئیس زادی کے گھر کے اندر کا حال مجھے کیوں نہ معلوم ہو سکتا تھا جو عورتیں باہر نکلتی تھیں ان کو آنکھوں سے دیکھنا، اندر نہیں معلوم سب جوانیں تھیں کہ ٹھہریں۔

لواء مرزا جب آخرتی کی ماں کے مقبرہ کا نقشہ جو فقط پہلی لکھا اور جس قدر پہلی طبقہ سے بنلے کے لائے ان کو گھر پلاکے درست کیا، زمینی نقشہ کو پٹکا کر کے رنگ بھرا قبر اور مسجد کی جگہ پہاڑ کی لگھائی ٹسب مناسب زنگ بھر کے بہت ہی خوبصورت نقشہ بنایا پھر انی چھوپنے سے ایک نہایت خوشنا مقبرہ جس پر ایک شاندار گنبد طلاہی کلس کے ساتھ دکھایا تھا مسجد میں کچھہ اضافہ تجویز کیا، ایک چھوٹا سا امام بارہ یہ سب تجویزی نقشہ صرف آخرتی کا دل خوش کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ پھر کسی تصویریں تھیں۔ ہر ہر موقعہ کی بہت ہوشیاری سے چھاپ کے رکھ چھوڑی تھیں۔

جب آخرتی ان کے گھر پر گئی۔ یہ سب نقشے دکھائے مقبرہ کی تجویز اخترتی نے بہت پسند کی مگر اُس کی تعمیر اُس وقت کے لئے اٹھا رکھی گئی جب اخترتی کو اپنا ذائقہ اختیار ہو گا۔ اُس کے بعد لواء مرزا نے مرآد علی کا ذکر چھیرا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ مرآد علی نے اپنی صفائی جتلے کو اپنانام تباہیا تھا مگر لواء مرزا ایسے فقروں میں کب آئے والے تھے۔

لواء مرزا یہ مرآد علی کون شخص ہے؟ اور ہے بھی تو اُس کو تم سے یا تمہاری والدہ سے کیا مطلب ہے؟

اخترتی۔ پہلے تو ہتھا بکا ہو گئی پھر تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد۔ جی ہاں میں سمجھے گئی۔ کیوں؟

نواب مرتضیٰ میرزا۔ جب میں تصویر بنا رہا تھا تو وہ دہان گئے تھے، انہوں نے تو اس حکومت سے تفہیش شروع کی جیسے افسر پولیس خونی مقدمہ کی تحقیق کرتا ہے۔ مگر میں ایسے دباؤ کب سہتا ہوں، میں نے ایسے معقول جواب دے کہ وہ بھی خوش ہو گئے ہوں گے۔ میر صاحب (قرآن خوان) نے تو ان کو اتو بنا کے دور نہ پہنچی ایسے لئے مگر بتایا کچھ نہیں۔

نواب مرتضیٰ نے پورا دातعہ سوال و جواب حرف بحرن اخترتی سے بیان کیا اس پر دیر تک ہنسی ہوئی رہی، مگر اخترتی دل میں کچھہ اور فکر کرنے کی اُسکو ممان معلوم ہو گیا کہ اس میں جعفرتی کی سعادت ہے مگر اُس نے منہ سے نہیں کہا اصرف نواب مرتضیٰ سے۔

اخترتی۔ یہ ما موسیٰ جان کے مختار کا بھیجا ہے۔ ما موسیٰ جان اُس کی قابلیت کی طریقہ تعریف کرتے ہیں مگر ہم نادری کو اُس کی صورت سے لفت ہے اور مجھکو بھی اُس کی کچھہ کچھہ باقی میں کے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی کچھہ اپنی حقیقت سمجھتا ہے۔ جعفرتی باحی کا بڑا خرخواہ کو اُن کا جو کچھہ کام ہوتا ہے اُسی سے کہلا بھجتی ہیں۔ کبھی کبھی کچھہ صلاح مشورے بھی ہوتے ہیں مگر مجھہ کو اس سے کیا۔ اور آپ کو کیا۔

نواب مرتضیٰ۔ سنوبیگم صاحب تم میری ہمیں کے برابر ہو مگر تمہاری نیکی اور بھولے پن نے مجھے کو اتنا گرویدہ کر لیا ہے۔ شریف جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو وہ محبت زبانی نہیں ہوتی مجھے ضرور اُس مردود سے اندیشہ ہے وہ مجھکو تکا جعلیہ معلوم ہوتا ہے بھائی خورشید مرتضیٰ اُس کی چالاکیوں سے اُس کے دم میں آگئے ہیں، وہ مختار کا بھیجا ہے یا خود مختار ہی، اُسکو تمہاری ماں کے قبر پر جائے اور تفہیش کرنے سے کیا واسطہ یہ کوئی گہری بات ہے اور ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مگر تم خاطر جمع رکھو میں اس مردود کی پوری خبر لے لور ہگا۔ ایک شریف زادی کے حالات کی تفہیش سے کیا مطلب ہو سکتا ہے شاید اس کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ تم صاحب جائیداد ہو اب اُس کو اُس جائیداد سے ناجائز نفع اٹھانے کی فکر ہے۔ خورشید مرتضیٰ کو بہت ہوشیار رہنا چاہئے، مگر اُن سے

کون ہے وہ اُس کے تابوں میں ہیں۔

نواب مرزا - دُھن کے پکے اور قول کے پورے تھے جسدن سے مرآد علی کو اختری کی ماں کی قبر پر دیکھا تھا اُن کو اس کی فکر ہو گئی تھی۔ اکثر اُس کی لڑہ میں رہتے تھے، اول تو دہ حکیم جعفری سے طے کیوں نکہ اختری کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ اختری کی والدہ کے معانج تھے اور پہاڑ پر بھی گئے تھے بلکہ اُن سے اختری سے قرابت بھی ہے یہ بھی اُن کو معلوم ہو گیا تھا کہ نادرتی کی شادی اُن سے ہونے والی ہے۔ جعفر علی کے جُن اخلاق اور صاحبِ مرقدت اور خلوص اُن کو دل سے پسند تھا۔ انہوں نے پہلے ان کو خوب ڈھولا قابلِ اطمینان پایا۔ آخر یہ پھری۔

دو دل یک شود بٹکنڈ کوہ را

اس بے گناہ مالدار لڑکی کو جعلیوں کے دام سے بچانا چاہئے، مگر وہ خود مرآد علی کے حالات سے ناپلبد تھے البتہ شیخ احمد علی کا بہت دن ہک علاج کی تھا۔

نواب مرزا - تو میں آپ کی طرف سے شیخ احمد علی سے ملوں۔ حکیم صاحب نے کہا مناسب ہے۔ حکیم صاحب نے نواب نور شیدھر زادے کے مکان پر اُن کو دیکھا تھا۔ مکان یہ بھی نہیں جانتے تھے۔ نواب مرزا نے مرآد علی کو اچھی طرح بہجان لیا تھا، جو یہ نہ یا پسندہ ایک دن وہ راہ میں کہیں مل گیا، نواب مرزا اس طرح اُس کے ٹیکھے ٹیکھے ہوئے کہ اُس نے ان کو نہیں دیکھا، پھر وہ ایک مکان میں گھس گیا یہ دور پھرے رہے کوئی آدھ کھنڈ وہ پھر نے کے بعد وہ اُس گھر سے بکلا اور اس در میان میں ایک کرا یہ کی گاڑی خالی دروازہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ مرآد علی گھر سے نکل کے اُس گاڑی پر بیٹھا اور کھڑری کی جانب گیا، یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب وہ سوار ہو گیا تو انہوں نے ایک دو کاندار سے جس کی دوکان اس مکان کے دردار نہ پر لکھی دریافت کیا یہ کس کا گھر ہے؟ معلوم ہوا شیخ احمد علی مختار اس گھر میں مدت سے رہتے ہیں یہ اُن کو معلوم تھا کہ مرآد علی کھڑری گیا ہے غالباً دیر میں

آئے گا۔ میدان خالی تھا، نواب مرزا نے دروازہ پر دستک دی، اندر سے آدا ن آئی کون
ہے؟ آئیے مردانہ مکان ہے، نواب مرزا بے تکلف مکان میں چلے گئے، ویکھا ایک بوجھا
شخص سیاہ فام سفید برف سے بال، چہرہ پر جھرایں پڑی ہوئی ضعیف بیمار پلنگ پر پڑا
ہے، یہ سامنے گئے۔

نواب مرزا۔ السلام علیکم۔

ضعیف۔ (اٹھنا چاہا، نواب مرزا نے اصرار کر کے اٹھنے نہیں دیا)، و علیکم السلام۔
نواب مرزا۔ جناب کا نام شیخ احمد علی صاحب ہے۔

احمد علی۔ اس عاجز کا یہی نام ہے۔ کیا آپ نواب خورشید مرزا کے پاس سے
آئے ہیں۔

نواب مرزا۔ کل حکیم جعفر علی صاحب سے کچھہ آپ کا ذکر سن کے ملنے کا شتیاق
پیدا ہوا۔ اپنا یہ ارادہ حکیم صاحب پر ظاہر کیا تو حکیم صاحب نے کہا مجھکو بھی ایک مدت سے
اُن کے مزاج کا حال نہیں معلوم ہوا اگر آپ کا جانا ہو تو میری طرف سے بھی مزاج کا حال
دریافت کریں گا۔ محبِی کہ شیخ صاحب نے مجھکو ملا کے اپنا حال نہیں دکھایا اس خیال
سے کہ شاید کسی اور کا علاج ہے، میں نے بھی خود جانا مناسب نہ سمجھا مگر مجھے اُن کا
خیال ضرور ہے۔ میں ادھر کو جا رہا تھا معلوم ہوا کہ آپ اس مکان میں فروکش ہیں تکلف
چلا آیا۔ معاف کریجئے شاید آپ کا کچھہ حرج تو نہیں ہوا۔

شیخ احمد علی۔ بڑی بندہ نوازی کی اور آپ مجھے سے الٹی معافی چاہتے ہیں، بڑی
نوازش کی میری حالت ظاہر ہے مدت سے صاحب دراش ہوں زندگی کے دن پورے
کر رہا ہوں۔ اکیلا پڑا رہتا ہوں، آپ کے آنے سے میرا دل بہل گیا ہے۔

نواب مرزا۔ ہمیں ابھی ایسی حالت تو خدا نخواستہ نہیں ہے علاج سے آپ نے
بے پرواہی کی جیسا کہ حکیم صاحب سے معلوم ہوا اور نہ اب تک کب کی صحت ہو جاتی، برائے

خدا را آپ علاج کر جئے۔ میں حکیم صاحب کو آپ کے مکان کا پتہ دے کے بھیج دوں گا۔ کیا آپ یہاں بہت دن سے رہتے ہیں تو حکیم صاحب کو معلوم ہو گا۔

شیخ احمد علی۔ اس مکان میں مدت سے رہتا ہوں۔ حکیم صاحب جانتے ہیں۔ آپ بھی طبیب ہیں، آپ کی مرضی نوازی سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

لواٹ مرزا۔ جی ہنس (اس طرح کہا جس سے ن انکار نہ کلتا تھا نہ اقرار) میں حکیموں کے خادم ہونے کے لائق بھی ہیں ہوں۔

شیخ احمد علی۔ یہ آپ کا انکسار ہے۔ خیر آپ کے حالات میں حکیم جعفر علی صاحب سے دریافت کر ہوں گا، اسم مبارک!

لواٹ۔ مجھہ کو لواٹ ہے تھے میں، بھتیجے کو فقط مرزا بتایا تھا، چچا کو لواٹ۔

شیخ احمد علی۔ میر لواٹ صاحب۔

لواٹ مرزا۔ سیدوں کا خانہ زاد ہوں۔

شیخ احمد علی۔ آپ کا انکسار ما شاء اللہ بہت بڑھا ہوا ہے اچھے لوگوں کا۔ ہی قاعدہ ہے۔ اچھا تو حکیم صاحب کو میری طرف سے بہت سلام و نیاز کہئے گا اور کہئے گا، اب میں بڑھا ہوا کہاں تک حکیم جعفر صاحب گھیٹ گھیٹ کے مجھے زندوں میں ملنے کی کوشش کر دیں گے، بڑھوں کا مزماںی مناسب ہے تاکہ جوانوں کے لئے میدان خالی ہو جس بہت جی چکے۔ اب قیامت کے بورے سمینا ہیں۔

شیخ کی گفتگو میں اگرچہ یہ کام کا آئتا لیکن فی الجملہ مذاق سے غالی نہ ہوتی۔

لواٹ مرزا۔ آپ کی باتیں ما شاء اللہ لطف سے غالی ہنیں، گھر میں آپ کے

بقید حیات میں کئی اولادیں ہیں۔

شیخ احمد علی۔ گھر کے لوگوں کو مرے ہوئے مدد ہوئی اولاد کی طرف سے بھی میں کم نفیب ہوں، کئی رکے رکیاں ہو یہیں مگر کوئی زندہ نہ رہی۔ آپ ایک بھتیجا ہیں

مراد علی - ما شاء اللہ بڑا کارگزار ہے اور قابل ہے - نواب خوشنید مرزا صاحب نے
براہ قدیم لوازی سب کار و بار اُس کے سپرد کر دیا ہے اور اُسے بھی اپنی کارگزاری
سے نواب صاحب کو راضی کر لیا ہے۔ گل کار و بار کا پوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا ہے نواب
صاحب کو ذائقی مکمل نہیں کرنے دیتا۔

نواب مرزا - کیوں نہیں اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں مگر یہ آپ کی محبت
ہے بھلا آپ کی سی تجربہ کاری اور ریاست کہاں سے کوئی لائے گا، میں تو نہ مانوں گا۔
شیخ احمد علی - جی نہیں دو محبوسے کہیں زیادہ کارگزار ہے جن تدبیر دن سے
وہ کام کرتا ہے خصوصاً مقدمات وہ طریقے میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم دیا ہے
کہتے کہ وہ پکا جعلیہ ہے، ہاں سیاق میں مجھکو اچھی وسیع کھی لیکن مراد علی کہتا ہے
کہ آپ میرے حسابات میں اکثر غلطیاں ہو جاتی ہیں، آپ میں قابلِ اطمینان میزان
ستونی نہیں لگا سکتا یادوں رات روپیہ آن پائی نوک زبان تھا اما آپ میرا خود جی گرا تاہم
پسروی و صد عیوب چنیں گفتہ اند

یہ مصرعہ بڑھ کے پُرانے کارگزار مختار کارنے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

نواب مرزا - شیخ صاحب ہمت نہ ہارئے، آپ بیمار ہیں۔ علامت خدا
نے پاہار فتح ہو جائے گی پھر اسی طرح آپ کام کرنے لگیں گے "نواب مرزا نے فقط شفی
کی راہ سے کہا تھا" بدھا سچ کہتا تھا۔

شیخ احمد علی - جی نہیں نواب صاحب، آپ میرے کام کرنے کا زمانہ گذر گیا
یہ سب طاہر شفی ہے "مراد علی پسح کہتا ہے معاملات زر میں میرے کام پر بخوبی سے
نہیں ہو سکتا۔"

نواب مرزا - بات کا پہلو بدل کے۔ خیر تو مراد علی کے کام پر آپ کو لا چھوڑ سکتے
یہ سوال سرسرا طور سے پوچھا گیا تھا، مگر بدھ مختار نے نہایت مضبوطی سے

جواب دیا، مقصود یہ تھا کہ سوال کرنے والے کو شیخ احمد علی کی بائی استحکام کے ساتھ معلوم ہو جائے۔

شیخ احمد علی۔ مجھ کو اس لیاقت پر کامل بھروسہ ہے۔ ہاں جوان آدمی ہی ذرا امنگ بڑھی تو نہیں ہے اپنی سن و سال سے زیادہ ذمہ داری لینے کی وجہ کر بیٹھتا ہے۔ کسی قدر جلدی بھی کرتا ہے یہ سن کا تقاضہ ہے۔ خون میں گرمی اور جوش زیادہ (یہ آخری فقرہ نیز لب گو یا اپنے سُنانے کے لئے کہا تھا جیسے لواب مرزا اُس کے مبنی طب صحیح نہ تھا) مگر لواب خود شید مرزا کی ریاست کا کام روز بروز گرتا جاتا ہے۔ روپیہ کی سخت ضرورت ہے اور روپیہ کہیں ہے بھی مگر لواب صاحب اس روپیہ میں ہاتھ لگانے کو نہیں کہتے۔ لواب صاحب نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ زر امانت ہے اُس کو چھوٹا نہ چاہئے۔

لواب مرزا۔ کیا یہ زر امانت بھی آپ کے بھتیجے کے اختیار میں ہے۔
شیخ احمد علی۔ جی نہیں اُس کو زر امانت سے کوئی تعلق نہیں ہے (ڈرانے مختار نے یہ اس طرح کہا تھا جیسے کوئی چونک پڑتا ہے) میں نے اس امانت کے باب میں مراد علی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا، میرے نڑدیک بھی اس امانت کو ہاتھ سے نہ چھوٹا چاہئے، ہر ایماندار شخص کی بھی رائے ہو گی، میں کچھ غلط تو نہیں کہتا؟

لواب مرزا۔ آپ کا خیال بجا اور درست ہے اس میں کس کوشک ہو سکتا ہے۔
شیخ احمد علی۔ وہ جس کی امانت ہے خدا جلد تر اس کو اس قابل کرے کہ وہ اپنے مال کی خود حفاظت کر سکے۔ سنتا ہوں بڑی نیک لڑکی ہے۔

لواب مرزا نے یہ جملے اس طرح سُنبے جیسے اُن کو نہ اس معاملہ سے کوئی وچھی ہے نہ کوئی اطلاع۔

شیخ احمد علی۔ بہت بڑی جائیداد ہے، لواب صاحب کہتے تھے، اُنہی نوئے لاکھ کا

تخدمہ ہے۔ اس رقم سے تو ایک اچھا خاصہ رانج مول لیا جاسکتا ہے۔ بہت بھاری منافع ہو۔
لواء مرتضیٰ کو شیخ احمد علی کی خرافت کا پورا القین، ہو گیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ جب
مجھہ سے دو باتوں میں انھوں نے سارا راز کہدا یا تو بھتیجے سے کیا نہ کہا ہو گا۔ اسی سے تو
اس کو بے تابی ہے کہ سب نہ ہی تو اس جامداد سے رقم کثیر ہتھ پڑھ جائے۔
شیخ احمد علی۔ مجھے خون ہے کہ لواء صاحب کمیں مرآد علی کو اسی راز میں نہ
شرک کر لیں۔

لواء مرتضیٰ۔ (تعجب سے) کیوں ایک لاٹ اور ایماندار کارندے کو راز داد
بنانے میں کیا ضرر ہو سکتا ہے؟

شیخ احمد علی۔ مرآد علی میرا بھتیجی ہے اور اس کی دیانتداری پر مجھکو پورا بھروسہ
ہے۔ لیکن پھر جوان ناجائز کا ہے شاید روپیہ ایسے کاروبار میں جھونک دے جس میں نقصان
الٹھانا پڑے۔ آئے دن بنکوں کے دیواریں بٹکا کرتے ہیں تو اور کسی تجارت کا یہ ذکر ہے جس کا
روپیہ ہے اُس کو بچنے ہے پہنچا دینا چاہئے خود تصرف اچھا نہیں ہے۔

لواء مرتضیٰ۔ (بڑھتے محترم کی دیانت اور دُوراندیشی سے خوش ہو کے)
بے شک یہ خیال آپ کا بیجا نہیں ہے۔ میں آپ کی تجربہ کاری اور دیانت کی داد دیتا
ہوں، بے شک زدِ امانت کو محفوظ رکھنا چاہئے مگر ایک بات دریافت طلب ہو کیا آپ
سمجھتے ہیں کہ آپ کے بھتیجے سے یہ راز اب تک چھپا ہوا ہو گا۔

شیخ احمد علی۔ (یہ سمجھتے کے کہ یہ سیڑھا سوال ہے کچھہ دیر سکوت کیا، ابھی تک
اُس سے مخفی رکھا گیا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اُس نے کسی نہ کسی طرح کچھہ پتہ لگایا ہو کیونکہ
اُس کی ہوشیاری میں کوئی شک نہیں، جناب یہ اُس زبانے کے لڑکے ہم کو آپ کو
بھرے بازاں میں پنج لیں۔ وہ ہمارا بھولانہ نامہ تھا۔

لواء مرتضیٰ۔ (یہ سمجھتے کے کہ احمد علی کو میری طرف سے کوئی شبہ نہ پیدا ہو) بات

کا پہلو بدل اس تذکرہ کو بالکل اڑا دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ دس منٹ کے بعد اجازت چاہی۔

شیخ احمد علی۔ تو کیا شریف لے جائیے گا، پھر بھی کبھی مجھ پر کرم فرمائیے گا، آپ کے آنے سے بہت دل بیل گیا۔

لا اب مرزا۔ فرصت کم ہوتی ہے مگر انشا راللہ حاضر ہوں گا۔

بابا

یہ ہمارے حال کا جو میاں کون ہے؟

برسات کے دن ہیں۔ اب محیط آسمان سے برس کے کھل جاتا ہے۔ پھر برسنے لگتا ہے۔ آم اس افراط سے ہے کہ ٹوکرے کے ٹوکرے گاڑیاں کی گاڑیاں جو منڈی میں نہیں بیکتیں لوگ اسی طرح زمین پر ڈال کے چلے جاتے ہیں باغوں میں جھولے پڑے ہیں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گاہر ہی ہیں، ملکے ملکے پینگ لے رہی ہیں۔

نیم کی نکولی پکی سادن کب ویگا

اور جو چالاک جوانیں ہیں وہ اونچے اونچے پینگ لے رہی ہیں۔ درلنے والیاں دوہی کر کے چیخ رہی ہیں، بھئی ہیں اتنا دو دو

آیا سادن کا ہبہ نہ پہنچ دھانی چوریاں

خورشید مرزا کے مکان میں بھی خاص چیل پہل ہے نادرتی نے باغ جاری کی تیاری کی ہے جعفری ایک ہبہ نہ پہنچ دھانی کے گھر میں جو فیض آباد میں رہتی تھیں جہان گئی ہیں، نادرتی آج کل گھر کی منتظم ہیں۔ اماج گھر کو ٹھروں سے بھی نکلوائی ہیں، یہی کھانا کیوں آتی ہیں، کنجیوں کا چکرہ ازار بند میں بند اہواں پھنپھنار ہا ہے نادرتی کبھی اندر آتی ہیں کہی باہر جاتی ہیں۔ جعفری کے اکل کھرے ہیں سے چھوٹوں سے لے کے بڑوں تک اس کی اس چند روزہ باہر جانے سے خوش تھے یہاں تک کہ خورشید مرزا بھی اگر چہ وہ جعفری کی ذرا سی بے چینی سے خود بے چین ہو جاتے تھے اس لئے کہ اُن کو معلوم تھا کہ جعفری جھلکی

ہے کسی کو بُرا کام کرتے دیکھا نہیں سکتی مگر مجھہ کو بہت چاہتی ہے مگر رات دن کی رنجشوں سے جو آخرتی کی وجہ سے تھیں جعفری کے جانے سے خوش تھے، یہ ولی ہی خوشی تھی جو چھوٹے بچوں کو مکتب میں مولوی صاحب کے کہیں چلے جانے سے ہوتی ہے تو اب مرزا کا لڑکا رٹکی اسی گھر میں کھیلتے پھرتے ہیں، آخرتی کا چہرہ بھی بحال اب کسی قدر منہ کی اُداسی کم ہوتی جاتی ہے۔ ہر مرزی سے بھی باغ کے چلنے پر اصرار کیا جاتا ہے وہ لذکری کا عذر کرنی تھے۔

آخرتی۔ اللہ ہن ہر مرزی اچھا تو گل آوار ہے دن بھر کے لئے تو تم بھی باغ میں چلو۔

ہر مرزی۔ آوار کے دن مجھہ کو کہاں فرصت ملتی ہے آٹھ دن کا دھنڈا اُسی دن تو کرنا پڑتا ہے۔

آخرتی۔ اچھا تو آج دزا سویرے سے چلی جاؤ۔ کل کے سب کام آج کر لو کل چلی آنا، میں سواری کے لئے قادر بخش کا اکہ بھی دیں گی۔

ہر مرزی۔ اماں جو اکیلی رہیں گی اور گھر ایں گی۔

آخرتی۔ میں کہیں سے کہد دیں گی وہ دن بھر بیٹھی رہے گی۔ ہر مرزی ہم راضی ہو گئی۔

باغ میں جانے کی بڑی خوشی تھی۔ سواریاں ڈیورٹھی پر لگی تھیں اتنے میں خورشید مرزا اندر آئے مگر چہرہ پر تشویش کے آثار جس کو آخرتی دیکھ کے فکر کر لے لگی کہ آخر کیا ہے جو آج ما موالی جان ایسے فکر مند معلوم ہوتے ہیں۔

لذات مرزا۔ ز آخرتی کو علیحدہ بُلا کے، کل مراد علی آیا تھا۔؟

آخرتی۔ جی ہاں آیا تھا۔ بہن نادری نے ایک تھان جامدابی کا منگوایا تھا دھدے کے چلا گیا۔ شاید آپ سے بھی ملنے والا تھا، سُنا ہے وہ کہتا تھا کہ اُس کو کوئی

ضد ری کا مہے۔

خورشید مرزا۔ یہاں تو ملاقات نہیں ہوئی۔ کل میں شیخ احمد علی کو دیکھنے کیا تھا وہ بھی ملا تھا شاید یہاں سے ہو کے میری تلاش میں وہاں گیا ہوا۔ مجھے خیال تھا اُس نے خود تم سے بُلا کے کچھ کہا ہو۔

آخرتی۔ مجھ سے تو کچھی اُس سے باتیں نہیں ہوئیں (اور کسی قدر منہ بنا کے)

مجھہ سے وہ کیوں باتیں کرتا!

خورشید مرزا۔ کیا تم کچھہ اُس سے خفا ہو۔ گھر کارندہ ہے۔ اسی گھر میں پر درش ہوا ہے اگر بات کرتا تو گیا برائی تھی۔ امیرزادیاں اپنے کارندوں سے بات کرتی ہیں حکم احکام دیتی ہیں اس میں کوئی عیب نہیں ہے تم کو معلوم ہے میرے ایسے تنگ اور بیہودہ خیالات نہیں ہیں، میں عورتوں کے کال کو ظھریوں میں بذرکھنے کو بہت بُرا جانتا ہوں۔ عورتوں کو خود اپنی حرمت کا خیال ہوتا ہے مردوں کو ان پر اعتبار چاہئے۔

آخرتی۔ نہیں میں تو اُس سے آزر دہ نہیں ہوں۔ بہن نادرتی کو البتہ اُس سے

نفرت ہے بلکہ وہ تو کچھہ درستی سی رہتی ہیں۔

خورشید مرزا۔ نادرتی بالکل بے وقوف ہے بھلا اُس سے ڈرنا کیا کوئی جو جو ہے۔ تم نادرتی کی حققت پر خیال نہ کرو۔ بڑا لائن کارندہ ہے بہت کارگزار ہو شیار۔ نادرتی چاہدی کا تھاں منگوئے کو ہیں اور پھر درستی بھی ہیں۔

آخرتی۔ نادرتی، اسکی تو قائل ہیں کہ سودا سلف اُس سے بہتر کوئی نہیں لاسکتا

مگر وہ کچھی اُس سے بات نہیں کرتیں۔

خورشید مرزا۔ نادرتی کی بے وقوفیوں کا ذکر چھوڑو۔ ہاں تو مرآد علی نے تم سے کچھہ نہیں کہایا کہ ملوا یا۔

آخرتی۔ ذرا گھر کے تو گیا کوئی خاص بات میرے متعلق تھی۔

خورشید مرزا۔ ہاں یہی بات ہے۔ لیکن مجھے تو کوئی خون نہیں ہے۔ مرآد علی کو بڑی تشویش ہے۔

لواء صاحب کو خود تشویش تھی مگر اپنی طبیعت کے ضعف کو مرآد علی کی آڑ میں پھپانا چاہتے تھے، خود لواء صاحب کے چہرہ پر تشویش کے آثار تھے، جس کو خود آخرتی پہچان گئی جو دیکھتا پہچان لیتا۔

آخرتی۔ اموں جان آپ نے توجیسے مجھکو ڈرایا۔ تو وہ کیا بات ہے کہ درجے تو مناسب ہے۔

خورشید مرزا۔ اُسی بات کے کہنے کو میں نہیں بلا یا ہے۔ اچھا شیخ احمد علی کا نام تم نے تو سنا ہو گا۔

آخرتی۔ آپ کے پُرانے مختار مرآد علی کے چھا ہاں میں نے اکثر ان کا ذکر سنا ہے شاید بہت بجا رہیں۔

خورشید مرزا۔ سخت علیل ہیں، انہما کا ضعف ہو گیا ہے۔ ضعف دل، ضعف دماغ، نسیان، حد کا بڑھ لیا ہے۔ حساب کتاب سے ابھتے ہیں دماغ میں بات نہیں سمجھتی۔ اب وہ کسی کام کے نہیں ہیں خیر خدا زندگی رکھ لے میرے بڑے رینو اور خیر خواہ ہیں انھیں کا بیان ہے کہ چند روز ہوئے کوئی سخف جس کو احمد علی نے اُس دن کے سو اکبھی نہیں دیکھا تھا۔ شیخ احمد علی کے دروازے پر دستک دی۔ شیخ صاحب سے ملا چاہا۔ شیخ صاحب مراد نے مکان میں تہارہتے تھے۔ انھوں نے بے تکلف بلا یا۔ وہ تہارہ سی جاندار کے بارے میں ہندی کی چندی پوچھتے تھے، کس کس بینک میں کن مہاجنوں کے پاس ہے کس کس کارخانے میں کن کمپنیوں میں کہتے ہیں، جیسے کوئی پورا بھی دیتا ہو۔

مرآد علی کا بیان ہے کہ چھا کے حواس درست نہیں ہیں ممکن ہے کہ چھانے اُن کو

کچھ پتا دیا مہوا بیان تو ان کا یہی ہے کہ میں نے آئیں یا میں شایس بتا کے اُن کو مال
دیا۔ مراد علی کو اس کا خیال بھی نہ ہوتا اور وہ کہتا ہے کہ اس مہل بات کا آپ سے
(یعنی مجھ سے خورشید مرزا سے) ذکر بھی نہ کرتا۔ مگر چارون ہوئے شیخ احمد علی کو آپ
ہی آپ کھر اس بات کا خیال آگیا یا مراد علی نے چھیر کے پوچھا، بہر صورت شیخ صاحب
نے مراد علی سے بتا کیا نواب صاحب سے اس امر کا تذکرہ ضرور ہے اور خود
صاحبزادی (یعنی تم اخترستی سے) دریافت کرنا چاہئے۔ کیا واقعی تمہارے کوئی چھپا ہیں؟
اخترستی۔ مجھے تو کوئی چھپا یا دنہیں۔ میرا کون پوچھنے والا ہے۔ شیخ صاحب

کے حواس درست نہیں ذرا سی بات کا بننگہ بنا لیا ہو گا۔
خورشید مرزا۔ میرا بھی ابھی ابھی خیال ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ شیخ صاحب
اس گھر کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ کوئی بات ہولی ہو گی کچھ کسی سے سُن لیا ہو گا، شیخ صاحب
کی احتیاط پیرانہ سالی اور ضعف مرض کے سبب سے بڑھ گئی ہے بلکہ خون کھانا چاہیے
جب دل مکر زد رہ جاتا ہے چھوٹی طسی کنگری کو آدمی پہاڑ سمجھنے لگتا ہے۔
دیر تک اسی کا خیال رہا، آخر فکر کرتے کرتے وہ سمجھتے کہیں ہوں نہ ہوں نواب مرزا ہوں
مگر اس کا تذکرہ خورشید مرزا سے مناسب نہ تھا۔ سالے بہنو یوں میں رخش ہو چاہئے
کا خون تھا۔ پھر اختری لے چاہا کہ منصوری پہاڑ پر نواب مرزا کو جو واقعہ پیش آیا
تھا اس کا تذکرہ کیا جائے لیکن یہ بھی مناسب نہ معلوم ہوا اس لئے کہ اس میں بھی
نواب مرزا کا نام آنا اختری ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ کیا ضرور تھا کہ نواب مرزا کی خیر خواہی
خورشید مرزا اپنے ظاہر ہو، خدا جائے۔ کیا خیالات پیدا ہوں، بالآخر اس نے فکر کر کے کہا تو
یہ کہا۔ میں نہیں خیال کرتی کہ اس کی چوری کا ہے کی مجھکو جو کچھ مان باپ کے ترکہ
کیا۔ میں لاءے وہ میرا مال ہے لوگوں کو خدا جائے بھیا فکر پڑی ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے بقول حافظ شیراز۔

نہاں کہ ماندال راز کے کرو سازند محفلہما

جو خرابیاں اب تک پیدا ہوئیں یا آگے ہوں وہ اس کے چھپائے سے ہوئیں
اور ہوں گی، ظاہر ہی کر دینا چاہئے تھا۔

خورشید مرزا۔ میں یہی سے اس کے خلاف تھا۔ تم کو یاد ہو گا کہ تمہاری
ماں نے کس اصرار سے مجھکو راضی کیا تھا۔

آخرتی۔ مجھہ کو خوب یاد ہے۔ اور جن باتوں کا آپ کو خیال تھا وہ سب اے
آئیں، ابھی دیکھئے کیا کیا ہوتا ہے۔ پھر میں کہوں گی کہ میرا مال میری جائیداد لوگوں
کو کاہے کا مولا ہے۔

خورشید مرزا (آخرتی کی ناجر بکاری پر مسکرا کے) ابھی تم بچتا ہو، دولت بہت
اچھی چیز ہے اور بہت بُری چیز ہے۔ اچھی اس لئے ہے کہ دنیا کا کوئی کام بغیر اس کے
نہیں حل سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا بھی دولت سے ملتا ہے۔ بُری اس لئے کہ دولت والے
کے ہزاروں دشمن پیدا ہو جاتے ہیں، شیطان کو اس کے ذریعہ سے بہکانے کا اچھا قاع
ملتا ہے۔

آخرتی۔ یہ بجلہ ہے لیکن دولت والا چاہتے تو اُس کے دوست بھی بہت پیدا
ہو سکتے ہیں۔ (یہ لذاب مرزا اور ہر مزی کو دل میں رکھ کے کہا تھا۔)

خورشید مرزا۔ دولت کی وجہ سے جو دوست پیدا ہوتے ہیں وہ درحقیقت
دولت کے دوست ہوتے ہیں، اور دولت والے کے دشمن۔

آخرتی۔ مگر سب بندگان خدا یکساں نہیں ہوتے، اکثر خدا کے بندے نہ کھا آتا نے
کا احسان مانتے ہیں۔

خورشید مرزا۔ مگر اچھے کم اور بُرے بہت ہیں، اس لئے دوست کم اور دشمن

زیادہ ہیں۔

اُخترتی۔ (ذر اُبجھہ کے) جب سب طرح مشکل ہے تو پھر کیا کیا جائے۔
خورشید مَرزا۔ یہی اصل بحث ہے اور دولت والے کو اس کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے
دولت والے کی بڑی بھاری ذمہ داریاں ہوتی ہیں اس کو دُنیا میں پھونک پھونک کے قدم
رکھنا پڑتا ہے، دولت ہونا بھی مشکل، نہ ہونا بھی دشوار۔ رکھنا بھی مشکل، اٹھانا
بھی دشوار۔ مردوں کو مشکلیں پڑتی ہیں، عورت ذات کے لئے تو سخت مشکلیں ہیں۔
اُخترتی۔ دل میں خدا چاہتے تو سب آسان ہو جائیگا۔ اُسی پر کھرو سہ کرنا چاہیے۔
خدا عادل ہے ناالم نہیں ہے۔ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہو گا۔ وہ تو بُردوں کے ساتھ بھی نیکی
کرتا ہے، بس آدمی کو چاہئے نیک نیٹ رکھے۔

بایل

دوسرادعویدار ولایت

کوئی لکھیں ہو یا صیاد ہو — جو عدو سے بارغ ہو پر باہم تو

برسات کا سماں، لڑکیاں بالیاں چھوٹے ٹڑکے لذکر چاکر بارغ میں کوئی جھولا جھول رہا ہے۔ کسی نے ٹپکے آم ایک درخت کے تھالے میں جہاں برسات کا پانی بھرا ہے اکھاگوئی میں۔ لیکن آم کھائے جاتے گھٹلیوں سے چوتھی کھیلی جاتی ہے کسی کے کپڑے کچھ طریقے میں لٹ پئت ہیں کوئی سر سے پاؤں تک امر سبن گیا ہے۔ پانی برس رہا ہے، انہندی ہوا میں چل رہی ہیں درختوں کی دالیاں مستانہ جھوم رہی ہیں، بیلے، چمیلی، جوہری کے پھولوں کی ہمک سے تمام بارغ معطر ہو رہا ہے۔ پھول چھے نجاتے ہیں گلدنستے بنائے جاتے ہیں، ہار گوندھے جاتے ہیں، نازک مزاج بیولوں نے کافوں کے لوؤں میں بیلے کی ایک ایک کلی دال لی ہے۔ ماما اھیلوں کی چوٹیاں ہارون میں پیٹھی ہوئی ہیں۔ جھولے کا رسائھل گیا جھولنے والے دھماکہ گئے۔ چھولے لڑکے رو رہے ہیں بڑے پھر سنبھل سنبھل کے اٹھا کھڑے رکھتے جھولا دالا جاتا ہے۔ ایک طرف دیہاتی چولھوں پر جو اسی وقت بنائے کچھے ہیں پوریاں تملی جاتی ہیں۔ ترکاریوں کی بھیجا بنائی جاتی ہے کوئی گھر سے تو شہ بھروسہ لے کے چلا ہے۔ میٹھے آموں سے روغنی روٹیاں کھائی جاتی ہیں۔ نادہی اختری کو جھولا جھلا لئے نکلئے بڑے اصرار سے لائی ہے۔ یہ راضی نہیں ہوئی وہ ضد کردہ ہی رکھیاں تو

یہ حشن ہو رہا ہے۔ خورشید مرزا کنوئیں کی جگت کے پاس سرپکڑے بیٹھے ہیں ان کی فرمت
 میں ترد اور فکر مندری لکھدی گئی ہے، آج بہت ہی اُداس ہیں۔ آخرتی سے تو یہ کہدا یا
 مجھے کچھ خوف نہیں ہے مگر وہ غصب کا اندیشہ ہے کہ عمر طہرہ ہوا تھا۔ دل ہی دل
 میں کہتے ہیں میں چین سے اپنے لہر میں بیٹھا تھا۔ لڑکپن کی عاشقی کے خیالات بھول
 بھال گئے تھے، خورشید بیکم (خدار حمت کرے) پھیس برس کے بعد بیٹھے بیٹھائے
 ایک نیا عمل دے گئیں خود تو بہشتِ نصیب ہو میں مجھے عذاب میں گرفتار کر دیا ابھی
 سال بھر اُدھر تک مجھکو کوئی خوف نہ تھا۔ زرامانت جہاں کا تھا تھا۔ ادھر مجھ پر مصیبت پر
 آئی، جامد اونیلام پر چڑھ گئی۔ اُدھر لڑکی نے قسمیں دئے کے مجھے اپناروپیہ صرف کرنے
 کی ترغیب دی ادھر اس مراد علی لئے جو روپیہ کا حال کہیں سن پایا تھے پڑ گیا۔ آج
 دس ہزار منگوائے، کل ۲۰ ہزار، ہمہ جنوں کا درسد لاکھوں دیدیئے گئے، میں نے بھی
 بے غل و غش صرف کرنا شروع کر دیا، لڑکی نے بھی ہزاروں خرچ کئے آج ہزار نے
 دیجئے۔ کل دو ہزار دے دیجئے۔ خدا جانے کس کو دیتی ہے کیا کرنی ہے مگر الفدا
 یہ ہے کہ اگر اُس کے ذمہ دس خرچ ہڈے تو میرے حساب میں ہزار، اچھا خاصہ بارہ
 مجھے پر ہو گیا ہے۔ بھلا یہ بارکس طرح ادا ہو گا۔ ابھی تک تو یہ خیال تھا کوئی پوچھنے والا
 نہیں ہے یہ قصہ جو مراد علی لئے بیان کیا ہے اگر سمجھے، علی جان کا سگا بھائی زندہ
 ہے تو وہ لڑکی کا سگا چھا ہے۔ میں دُور کے رشتہ کی ماہوں ہوں۔ اس کو ہر طرح دلی
 ہونے کا حق پہنچتا ہے اگر دعوہ ہوا۔ اور صدور ہو گا میں نے خود اخبار میں پڑھا ہے
 اُس نے پتہ دریافت کر لے دالے کو اشتہار دیا ہے۔ یہ جو شیخ احمد علی کے پاس کوئی
 آیا تھا یا وہ خود تھا یا اُس کا کوئی پیروکار تھا برٹا غصب ہوا، وہ کوڑی کوڑی کا حساب
 لے گا، لاکھوں روپیہ میرے ذمہ ہے۔ اگر میں کہوں گا لڑکی کی رفاقتی سے میں لے
 خرچ کیا ہے تو معقول جواب ہے کہ باائع کا کوئی قول فعل قابل اعتبا نہیں، لڑکی

کو ذاتی حساب مجہکو ششمہ ہی دینا پڑتا ہے وہ تو اس خیال سے کہ کوئی پڑھنے والا نہیں ہے مخصوصی بنا کے بھیج دیا جاتا تھا۔ اب خیانت ثابت ہو گی۔ سو اُسے جیل خانے کے کہیں دکھانا نہیں ہے۔ اس ضعیفی میں پے آبرو میں جیل! - مراد علی کے سو اکوئی رفیق نہیں۔ اُس نے جو مصالحت کی صورتیں پیدا کی ہیں اُسی سے کچھ معزز کی امید ہے بشرطی مدد یعنی بھی رضامند ہو جائے، وہ کا ہے کو رضامند ہو گا۔

سخت مشکل یہ ہے کہ اختری کو مثل بیٹیوں کے سمجھتا ہوں، خدا نے اسکی محبت میرے دل میں ڈال دی ہے۔ ایسی نیک ایسی سیر حیثم اپناروپیہ دیکے عاجزی کرنا اُسی کا طرف ہے۔ پھر جعفری کے خواہ مخواہ کے طعنے اور اُس کی بُرداری، اگر یہ لڑکی مجہہ سے چھن گئی اور ہر تودہ ہلاک ہو جائے گی ادھر میں مر جاؤں گا۔ دیکھنے کیا ہوتا ہے۔ اس تمام تسلیش اور اضطراب کا سلب مراد علی کی وہ تقریبی جو اُس نے شیخ احمد علی کے مکان پر خورشید مرزا کے گوش گذار کی تھی وہ تقریبی تھی!

مراد علی دخور شید مرزا کو نہایت ادب سے مخاطب کر کے) حضور امیدوار ہوں گہ چند ضروری باتیں اس خادم کی سماعت فرمائی جائیں، بشرط اجازت عرض کروں۔

خورشید مرزا۔ ہاں ہاں بیان کرو، نواب صاحب کو بالکل گمان نہ تھا کہ یہ تقریبی ایسی خوفناک ہو گی۔

مراد علی۔ اختری بیگم صاحبہ کے واقعات سے حضور نے مجہکو مطلع نہیں کیا، لیکن خادم کو محفوظ برآں خیر خواہی جو کچھ معلوم ہوتا کیا اُس کو یاد رکھتا کیا، یہاں تک کہ جملہ واقعات پر اطلاع ہو گئی، خادم نے خود دخل در معقولات کا قصد نہیں کیا اس لئے کہ جب سرکار نے مجہہ کو قابل خطاب نہ سمجھا تو میری کیا مجال اور کیا شامت تھی کہ تم رو سے دخل دیتا مگر بعض واقعات چھا صاحب کو کسی اور معاملہ کے تذکرہ میں فہمنا گہنا پڑے شاید وہ بھی نہ کہتے مگر محفوظ خیر خواہی اور پاس نک سے ضعف اور بے حواسی